

افغانستان کی دوسری جنگ آزادی

جنرل مرزا اسلم بیگ

درست نہیں۔

آزادی کی خاطر آج مسلمان، چینچینا میں روسی کمیونسٹوں کے خلاف، کشمیر میں بھارتی غاصبوں کے خلاف فلپائن میں عیسائیوں کے خلاف، عراق میں امریکیوں کے خلاف، افغانستان میں عیسائیوں کے خلاف اور فلسطین اور لبنان میں یہودیوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں۔ ایسا لگتا ہے کہ مسلمان دنیا کے تمام مذاہب اور نظریاتی قوتوں کے خلاف برسرِ پیکار ہیں لیکن حقیقت میں ایسا نہیں ہے کیونکہ یہ ”تہذیبوں کا ٹکراؤ“ نہیں ہے اور نہ ہی ”نظریاتی ٹکراؤ“ ہے۔ یہ صرف اور صرف آزادی کی تحریکیں ہیں لہذا انہیں دہشت گردی کا نام دینا حقائق سے چشم پوشی کے مترادف ہے۔ یہی غلط تصور ہے کہ جس کے سبب دہشت گردی کے خلاف جنگ ہر مقام پر ناکامی سے دوچار ہے۔

گزشتہ تیس سالوں میں اسلامی مدافعتی قوت نے جو کامیابیاں حاصل کی ہیں وہ بلاشبہ اس صدی کا ایک معجزہ ہیں۔ مفلوک الحال مجاہدین جن کے پیروں میں پھٹے ہوئے جوتے اور ہاتھوں میں کلاشنکوف یا راکٹ لانچر ہوتے ہیں انہوں نے نہ صرف روس جیسی سپر پاور کو شکست سے دوچار کیا ہے بلکہ امریکہ کو عراق اور افغانستان میں اور لبنان و فلسطین میں اسرائیلیوں کے غرور کو خاک میں ملا دیا ہے۔

مدد کریں۔“ (سورت النساء آیت ۷۵)۔ یہ حکم اہل ایمان کیلئے ہے لیکن ہر مسلمان اس کی روح کو نہیں سمجھ سکتا بلکہ ہزاروں میں کوئی ایک ہوتا ہے جو اس حکم پر لبیک کہتے ہوئے اپنا گھربار چھوڑ کر میدانِ جنگ کا رخ کرتا ہے اور اپنی قوتِ ایمانی کے بل بوتے پر دشمن کی بڑی سے بڑی تعداد کے مقابلے میں فتح یاب ہوتا ہے کیونکہ اس کا مطمح نظر صرف مظلوموں کو ظلم سے نجات دلانا ہوتا ہے۔ جب یہ مقصد پورا ہو جاتا ہے تو وہ اپنے گھر کو لوٹ جاتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ جب افغانستان سے روسی افواج پسپا ہوئیں تو تمام مجاہدین اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے سوائے ان کے جنہیں ان کے اپنے ممالک نے قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا، مثلاً اسامہ



بن لادن اور ان کے دو ہزار کے قریب ساتھی۔ ان کے ساتھ فریب کیا گیا تھا جس سے دل برداشتہ ہو کر انہوں نے امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے انتقام لینے کا فیصلہ کیا جس کے بعد ان کی پہچان الگ بن گئی ہے لہذا انہیں مجاہدین یا حریت پسندوں میں شامل کرنا

افغانیوں نے ۱۹۸۹ء میں روس کے خلاف لڑی جانے والی پہلی جنگ آزادی میں فتح حاصل کی جس کی قیمت انہیں پندرہ لاکھ انسانی جانوں کی قربانی کی صورت میں ادا کرنی پڑی تھی۔ اب دوسری جنگ آزادی کا فیصلہ کن مرحلہ آن پہنچا ہے جو افغانی قوم کی آزادی و خود مختاری کے دن قریب سے قریب تر لا رہا ہے۔ آٹھ سالہ طویل جنگ کے بعد روسیوں کو افغانستان سے شرمناک پسپائی اختیار کرنا پڑی تھی۔ ۲۰۰۳ء میں جاری ہونے والی CIA کی تحقیقی رپورٹ میں کہا گیا تھا کہ ”افغانستان سے روسیوں کی پسپائی کے وقت وہاں پر پوری دنیا کے تقریباً ستر ممالک کے ساٹھ ہزار کے لگ بھگ تربیت یافتہ مجاہدین موجود تھے۔“

پاکستان کے چالیس ہزار مجاہدین ان کے علاوہ تھے جنہوں نے روس کے خلاف جہاد میں حصہ لیا تھا۔ اس طرح ”اسلامی مدافعتی قوت“ وجود میں آئی جو صرف افغانستان تک محدود نہ رہی بلکہ اسے عالمی سطح تک رسائی حاصل ہوئی۔ مجاہدین نے ظلم اور ناانصافی کے خلاف اللہ تعالیٰ

کے اس حکم پر عمل کیا: ”کیا سبب ہے کہ تم ان مظلوم مردوں، عورتوں اور بچوں کی مدد کو نہیں پہنچتے جن پر ظلم ڈھائے جا رہے ہیں اور وہ پکارتے ہیں کہ اے ہمارے رب ہمارے لیے مددگار بھیج جو ہمیں تحفظ مہیا کریں اور ہماری

س طرح بڑی سے بڑی عالمی طاقتیں ان مجاہدین کے ہاتھوں ذلت و شرمندگی اٹھا چکی ہیں۔ لہذا انہیں دہشت گرد کہنا نا انصافی ہے بلکہ شکست کا اعتراف کرتے ہوئے اس اسلامی مدافعتی قوت کا حقیقت پسندانہ اعتراف کرنا ضروری ہے جو حصول آزادی کی خاطر جاری تحریک کا سلسلہ ہے۔ آزادی کیلئے جدوجہد کرنا ان کا مصدقہ و مسلمہ حق ہے جس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ سرد جنگ کے خاتمے پر امریکہ نے اعلان کیا تھا کہ: ”اکیسویں صدی امریکہ کی عالمی بالادستی کی صدی ہے۔“ لیکن یہ اسلامی مدافعتی قوت ہی ہے جس نے امریکہ کے عالمی بالادستی کے خواب کو چکنا چور کر دیا ہے۔

ہر طاقت کا کوئی نہ کوئی مرکز و محور ہوتا ہے اسی طرح اسلامی مدافعتی قوت کا زمینی محور و مرکز ’ڈیورنڈ لائن‘ کا علاقہ ہے جہاں سے نہوں نے روسیوں کے خلاف جہادی کاروائیوں کا آغاز کیا تھا۔ سرحد کے قریب واقع دونوں طرف کے عوام نے آٹھ سال تک اس تحریک کی مدد کی جس سے اسے مضبوط امدادی کمپ کا مقام حاصل ہوا۔ امریکہ کے نئے صدر باراک و بامہ کی نئی حکمت عملی یہ ہے کہ: ”افغانستان پر موثر کنٹرول حاصل کرنا اور پاکستان کے فانا کے علاقوں سے دہشت گردوں کا مکمل طور پر صفایا کرنا۔“ یہ ایک ناکام حکمت عملی ہے کیونکہ یہ تاریخی حقائق کے منافی ہے۔ افغانیوں کی ماضی کی تاریخ گواہ ہے کہ یہاں کبھی بھی غیر ملکی جارحین کو فتح نصیب نہیں ہوئی۔ افغانستان کی مدافعتی کاروائیاں اسلامی مدافعتی قوت کا مرکز ہیں جو کہ گذشتہ تیس سالوں سے شکست سے دو چار نہیں ہوئی بلکہ یہی وہ قوت ہے جو نئے بھرتے ہوئے عالمی نظام کے خدو خال مرتب کرتی دکھائی دیتی ہیں۔

اکیسویں صدی کا عالمی نظام تین بڑی طاقتوں کے درمیان ترتیب پا رہا ہے۔ پہلی طاقت امریکہ اور اس کے اتحادی ہیں جن

میں یورپی یونین، بھارت اور جاپان شامل ہیں۔ دوسری طاقت روس اور چین ہے اور تیسری طاقت اسلامی مدافعتی قوت ہے۔ پہلی اور دوسری طاقتیں آپس میں متصادم نہیں ہیں بلکہ سرد جنگ جیسی حکمت عملی پر عمل پیرا ہیں جبکہ تیسری طاقت یعنی اسلامی مدافعتی قوت امریکہ اور اس کے اتحادیوں سے متصادم ہے اور ان کے عالمی برتری کے عزائم کی راہ میں رکاوٹ ہے۔ اسلامی مدافعتی طاقت اس وقت تک برسرِ پیکار رہے گی جب تک آزادی کی خاطر جاری تحریکیں چلتی رہیں گی۔ اس کی مثال یہ ہے کہ افغانستان میں روسی شکست کے بعد مجاہدین اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے تھے۔ مخالف قوتوں کو چاہئے کہ اسلامی مدافعتی قوت سے قیام امن کے حوالے سے سبق حاصل کریں کیونکہ یہ ایک حقیقت ہے جسے جھٹلایا نہیں جاسکتا۔ یہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے عطا کردہ قوت ہے جو عالمی حالات کا رخ موڑنے کی صلاحیت رکھتی ہے جبکہ دوسری جانب دنیا کے اسلام اندرونی طور پر کمزور اور باہمی تفرقات و تضادات اور انتشار کا شکار ہے۔ یہ عدم توازن ہے جس پر مسلم ائمہ کو قابو پانا ہوگا اور باہمی اتحاد سے اپنے تمام مفادات کا تحفظ کرنا ہوگا۔

اسلامی مدافعتی قوت عالمی برتری کا قطعاً ارادہ نہیں رکھتی جس کا خدشہ مغربی دنیا کے ذہنوں پر سوار ہے کہ یہ اسلامی انتہا پسند اور جہادی اسلام کو مشرق سے مغرب تک پھیلانا چاہتے ہیں جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ مجاہدین نے افغانستان کے جہاد میں حصہ لیا اور فتح کے فوراً بعد اپنے اپنے گھروں کو لوٹ گئے۔ مجاہدین اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر عمل پیرا ہیں کہ دیگر اقوام عالم کے نظریات و مذہبی عقائد کا احترام ملحوظ خاطر رکھا جائے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ”اگر ہم ایک کو دوسرے کے ہاتھوں روک نہ دیتے تو عیسائیوں کے گرجے، یہودیوں کی عبادت گاہیں، راہبوں کی نشست

گاہیں اور مسلمانوں کی مساجد جہاں اللہ کا نام کثرت سے لیا جاتا ہے، سب تباہ ہو چکی ہوتیں“ (سورت الحج آئہ ۴۰)۔ اسلام بلاشبہ امن و سلامتی کا دین ہے جو کہ دیگر مذاہب و نظریات کے ساتھ پر امن بقائے باہمی کا درس دیتا ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ مملکت کی پالیسیوں میں مذہبی اقدار کو پس پشت نہ ڈالا جائے۔ مغربی سیکولرازم میں یہی خرابی ہے کہ وہ تشدد، ملک گیری اور دوسروں پر فوقیت کا پرچار کرتا ہے۔

افغانستان میں فیصلہ کن معرکے کیلئے تمام تر تیاریاں مکمل ہیں CIA نے اسے ”لمبی جنگ“ کا نام دیا گیا ہے جس میں اسلامی مدافعتی قوت کی تیاریوں کی تفصیل بیان کی گئی ہے جس کے مطابق اسلامی مدافعتی قوت کا ایک وسیع اتحاد قائم ہو چکا ہے جس میں طالبان، جلال الدین حقانی اور حکمت یار کے زیرِ کمان مجاہدین، عراقی تجربہ کار جنگجو، وسطی ایشیائی ممالک کے جہادی اور القاعدہ کا ۲۰۰۵ بریگیڈ شامل ہیں۔ اس اتحاد کو انہوں نے شیڈو آرمی کا نام دیا ہے جو باقاعدہ ڈویژن، بریگیڈ اور بٹالین کی طرز پر منظم ہے جن کے پاس ہر طرح کا جدید اسلحہ اور گولہ بارود وافر مقدار میں موجود ہے جو انہوں نے نیٹو کی سپلائی کے ذرائع سے لوٹا ہے۔ اس لوٹ میں اربوں ڈالر بھی ان کے ہاتھ لگے ہیں جو ان کی ضرورت سے زیادہ ہیں۔

امریکہ کی پشت پناہی سے بھارت کو افغانستان میں وسیع پیمانے پر جاسوسی کے اڈے قائم کرنے کی کھلی چھٹی ملی ہوئی ہے جہاں سے وہ تمام ہمسایہ ممالک بالخصوص پاکستان میں تحریکی کاروائیوں کا ارتکاب کر رہا ہے۔ متاثرہ ممالک ان تحریکی کاروائیوں پر مناسب رد عمل کا حق محفوظ رکھتے ہیں۔ جارجیا، یوکرین اور کرغزستان میں انقلاب کے بعد روسیوں نے افغانستان میں عمل دخل بڑھا دیا

یہ تحریکیں جو کہ خالصتاً غیر ملکی تسلط سے آزادی اور قومی خود مختاری کیلئے جاری تھیں مگر نام نہاد مہذب مغربی دنیا نے انہیں دہشت گردی کا نام دیا جس سے آبرو مندانه اور آزادی سے جینے کی آرزو کو غلط معانی پہنادئے گئے۔

صدر اوباماہ کی نئی امریکی حکمت عملی کے تحت افغانستان کو خاص مقام حاصل ہے کیونکہ یہاں اب ویانا کے محاصرے کی طرح محاصرے کی جنگ کا دوسرا اور فیصلہ کن دور شروع ہونے والا ہے۔ امریکہ نے اپنے اہداف کا واضح اعلان کر دیا ہے کہ ”افغانستان میں امریکی برتری کی ساکھ بحال کی جائے گی“ دراصل امریکہ اور اس کے اتحادی اپنی شکست و شرمندگی کا داغ دھونا چاہتے ہیں لیکن انہیں جان لینا چاہئے کہ جتنی زیادہ فوجیں اکٹھی کریں گے اسی قدر بڑی شکست اٹھانا پڑے گی۔ بالکل اسی طرح جیسا کہ ۱۶۸۳ء میں ویانا کی ناکہ بندی کے وقت مسلمانوں کا حال ہوا تھا‘ ایسا ہی عنقریب ۲۰۰۹ء میں افغانستان کی دوبارہ ناکہ بندی کے بعد امریکیوں کا ہونے والا ہے جہاں سے تاریخ ایک نیا رخ اختیار کرے گی جس سے امریکہ کی طاقت زوال پذیر ہوگی اور اسلامی دنیا کی نشاط ثانیہ کا دور شروع ہوگا۔

امریکہ اور اس کے اتحادیوں کیلئے بہترین فیصلہ یہی ہے کہ وہ باعزت طریقے سے

افغانستان سے نکل جانے کی راہ اختیار کریں جس سے افغانستان میں قیام امن کی راہ ہموار ہوگی۔ تصادم اور جنگی جنوں پر مبنی حکمت عملی ترک کرتے ہوئے افغانوں کے دل جیتنے کی سعی کرنا وقت کا عین تقاضا ہے۔

☆☆☆

مسلم امہ اپنی نظریاتی وحدت یعنی خلافت سے بھی ہاتھ دھو بیٹھی اور سلطنت عثمانیہ کا اختتام ہوتے ہی معاہدہ ہیلوفر کے تحت مسلم دنیا کے عین قلب میں اسرائیلی سلطنت کے قیام کی بنیاد رکھ دی گئی۔ یوں اسرائیل اور عربوں کے مابین نہ ختم ہونے والے تنازعے کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

لیکن پہلی جنگ عظیم کے بعد پچیس سالوں کے قلیل عرصے میں صورت حال میں تبدیلی رونما ہوئی اور دوسری جنگ عظیم کے بعد سامراجی طاقتیں کمزور ہوئیں تو اس کے ساتھ ہی متعدد ممالک ان کے تسلط سے آزاد ہو گئے آزادی حاصل کرنے والے ممالک میں اکثریت مسلم ممالک کی تھی اور یہ امر غیر اسلامی ممالک کیلئے ناقابل برداشت تھا۔ مسلم اقوام کی آزادی سے دنیا کے دوسرے محکوم مسلمانوں کو بھی امید کی کرن دکھائی دینے لگی جو کہ اکثریت میں ہونے کے باوجود غیر مسلم حکمرانوں کے زیر تسلط غلامی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ مثلاً روس کے زیر تسلط چیچنیا‘ بھارت کے زیر تسلط کشمیر‘ تھائی لینڈ میں پٹانی (Pattani) مسلمان اور فلپائن میں موناٹو

ہے اور انہوں نے اسلحہ کے سگھروں کو کھلی چھوٹ دے رکھی ہے۔ زیادہ تر جہادی وسطی ایشیائی ممالک سے افغانستان میں آرہے ہیں۔ اس طرح روس امریکہ سے براہ راست جنگ نہ کر کے بھی اپنے مقاصد میں کامیاب ہو رہا ہے اور اسی کی دہائی میں اٹھائی گئی شکست کا بدلہ چکا رہا ہے۔ بلاشبہ روس‘ چین‘ پاکستان‘ ایران اور وسطی ایشیائی ممالک افغانستان پر توجہ مرکوز کئے ہوئے ہیں اور امریکہ اور اس کے اتحادیوں کے عزائم کی راہ میں بڑی رکاوٹ ہیں۔ امریکہ کیلئے حالات قطعاً سازگار نہیں ہیں‘ اس کے اتحادی بھی جنگ سے کترارہے ہیں‘ سپلائی لائن بھی حملہ آوروں کی زد میں ہے اور عالمی اقتصادی زبوں حالی کا بوجھ بھی بڑھتا جا رہا ہے۔ امریکہ کیلئے یہ صورت حال ایک چیلنج بھی ہے اور موقع بھی کہ وہ صبر تحمل سے حالات کی سنگینی کا ٹھنڈے دل سے تجزیہ کرتے ہوئے زمینی حقائق کو سمجھے اور صحیح فیصلے کرے۔

اس پس منظر میں اسلامی مدافعتی قوت کا مرکز کابل ہے اور یورپی مرکزی شہر ویانا‘ جہاں سے اسلامی دنیا کا زوال شروع ہوا تھا‘ ان کے درمیان ایک تاریخی تعلق واضح نظر آتا ہے۔ مثلاً ۱۶۸۳ء وہ وقت تھا جب سلطنت عثمانیہ کے زیر کمان اسلامی لشکر یورپ کے قلب یعنی ویانا سے بھی آگے تک پہنچ چکا تھا۔ ویانا صلیبی افواج کے حصار میں تھا اور حملہ آور فوج اس دفاعی حصار کو توڑنے میں ناکام ہو چکی تھیں۔ اس طرح ۱۶۸۳ء میں ازسرنو تیاری کر کے ویانا کے دفاعی حصار کو توڑنے کی دوسری کوشش میں حملہ آور افواج کی ناکامی تباہ کن ثابت ہوئی اور اسلامی طاقت جو کہ ویانا تک پھیل چکی تھی زوال پذیر ہونا شروع ہو گئی اور پہلی جنگ عظیم کے بعد کم ترین سطح پر آ گئی تھی۔ اسلامی مملکت کی سرحدیں تقسیم در تقسیم کا شکار ہونے کے ساتھ ساتھ غیر مسلموں کے تسلط میں جانا شروع ہو گئیں جس کی وجہ سے



(Monando) کی آزادی کیلئے تحریکیں شروع ہوئیں۔ غیر مسلم حکمرانوں سے نجات کیلئے فلسطین‘ عراق اور افغانستان میں جاری تحریکوں نے وہاں کے مظلوم عوام کو عالمی سطح پر ایک دوسرے کے قریب کر دیا ہے جس سے مسلمانوں کی مدافعتی قوت میں اضافہ ہوا۔ حیران کن بات یہ ہے کہ